Dr. Farooq Hussain Shah
Federal Urdu University,
Islamabad

ڈاکٹر فاروق حسین شاہ
وفاقی جامعہ اردو، اسلام آباد

Dr. Fehmida Tabassum
Associate Professor, Head of Department,
Federal Urdu University,
Islamabad

ڈاکٹر فہمیدہ تبسم
ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبۂ اُردو،
وفاقی جامعہ اردو، اسلام آباد

پاکستانی ادب : نظریاتی جہات کی عصری معنویت

Pakistani Literature: The Contemporary Meaningfulness of Ideological Aspects

Abstract: As the first quarter of the twenty-first century approaches, Pakistan has become so politically and socially besieged that the Ideology of Pakistan is now under scrutiny. Even before its creation, such questions were common in drawing rooms, as reflected in Khadija Mastoor's novel Angan. Yet the fervor of faith and the passion for freedom were so intense that any thought, notion, or doctrine opposing the demand for a free homeland couldn't take root. All this energy centered on the conviction that we believe in one God and one Prophet ﷺ. We sought a free land where we could rebuild our lives according to Islamic principles, safe from colonial narratives and imperial powers that might erase our identity. There we could nurture our intellectual and cultural values and create literature devoted to true peace, human uplift, and unity—novels, stories, dramas, poems, ghazals, songs, and journalism imbued with faith and righteous deeds.

Keywords: Two Nation Theory, Ideology of Pakistan, Identity, Contemporary, Literature, 21st Century, Unity, Faith, Discipline

اُردو زبان میں اگرچہ Theory اور Ideology کے لئے نظریہ کا لفظ ہی بالعموم بولا، لکھا اور مراد لیا جاتا ہے تاہم جب ہم انگریزی زبان میں Two Nation Theory پر غور کرتے ہیں تو ہمارے سامنے بہر حال ایک تھیوری ہی آتی ہے۔ گویا دو مختلف اور علاحدہ قوموں کے وجود پر دلالت کرنے والی تھیوری اُردو زبان میں دو قومی نظریہ بن جاتی ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ جہاں دو قومی نظریہ کے لئے تھیوری کا لفظ آیا ہے وہیں نظریۂ پاکستان کے لئے تھیوری کے بجائے آئیڈیالوجی کا لفظ منتخب کیا گیا ہے۔ آئیڈیالوجی (Ideology) میں عقائد و اقدار کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ کسی بھی معاشرے کے سیاسی و سماجی اور تہذیبی و ثقافتی تفاعلات و تعاملات کے لئے آئیڈیالوجی ایک راہنما کا کردار ادا کرتی ہے۔ یہ نشانِ راہ بن کر اُس منزل کی جانب قدم بہ قدم آگے بڑھتی جاتی ہے جو مطلوب و مقصود ہے۔

تھیوری اور آئیڈیالوجی باہم مربوط ہیں۔ انگریزی زبان میں تھیوری سے مراد ایک ایسا منظم طریقہ کار ہے جس میں کسی امرِ واقعہ کی مربوط وضاحت کے لئے ٹھوس شواہد موجود ہوں اور جسے کسی تجربہ گاہ میں آزمایا اور پرکھا جا سکے۔ تھویری دراصل مشاہدات و تجربات کا مربوط نچوڑ ہے۔ انسانی عقل کی ہر تھیوری اسی وقت تک کارآمد رہتی ہے جب تک اُس کے مقابلے میں کوئی دوسری یا تیسری تھیوری پیش نہ کر دی جائے۔ تھیوری کا یہ تغیر ہی سائنسی علوم کی وسعت کا ضامن ہے۔ اس کے اجزائے ترکیبی میں ایک خیال ہوتا ہے۔ عین ممکن ہے یہ خیال بنیادی خدوخال کا موہوم سا تصور بن کر کسی مفکر کے

ذہن میں ہلچل مچا رہا ہو۔ پھر یہی خیال مختلف قیاسات و مفروضوں کی مدد سے کسی فرضیہ کی شکل میں ڈھلتا ہے اور خیال کے بنیادی خدوخال مزید نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ پھر تجرباتی اشاروں کی مدد سے فرضیہ حقیقت بننے کے مراحل میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ یہ حقیقت اُس وقت "نافذ العمل" رہتی ہے جب تک کوئی دوسری حقیقت اس پر غالب نہ آجائے۔

آئیڈیالوجی میں خیال کی جگہ ایمان و عقیدہ موجود ہوتا ہے۔ یہ بنیادی عقائد و اقدار پہلے پہل ایک دعویٰ بن کر ہی اُبھرتے ہیں اور پھر داخلی و خارجی حدود میں منظم و مربوط اعمال و افعال کے ذریعے اپنی جداگانہ شناخت کو متشکل کرتے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر نظام سرمایہ داری کا تجزیہ کرتے ہوئے مارکسی تھیوری ہمارے سامنے آتی ہے لیکن جب تجربے کی بھٹی سے گزر کر اس تھیوری کے خدوخال واضح ہو جاتے ہیں تو یہ مارکس کا معاشی نظریہ بن جاتی ہے۔ گویا تھیوری اب آئیڈیالوجی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آئیڈیالوجی مقدم ہو اور اس سے کوئی ایک یا بہت سی تھیوریاں منظر عام پر آنے لگ جائیں۔ وحی ایک ایسی الوہی تھیوری پیش کرتی ہے جو غیر متبدل ہے۔ جو کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔ ہر دور کے پیغمبر اس تھیوری کو اپنی قوم کے سامنے پیش کرتے۔ جہاں اکثریت اس تھیوری کا تمسخر اُڑاتی وہیں ایسے اذہان و قلوب بھی موجود ہوتے جو اس تھیوری پر ایمان لاتے اور اسے اپنی آئیڈیالوجی بنا کر اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کی صورت گری کرنے لگتے۔

نَظَر عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا سہ حرفی مادہ "ن، ظ، ر" ہے۔ "غالباً نویں صدی عیسوی تک یہ ایک یونانی لفظ کے ترجمے کے طور پر تحقیق کے لئے علمی چھان بین کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔"(۱) قرآن کریم میں ن ظ ر سے نَظَرَ، یَنظُرُ، یَنتَظِرُ، یَنتَظِرُ، نَظْرَۃ، نَٰظِرِین، نَاظِرَۃ، مُنظَرُون، مُنتَظِرُون جیسے الفاظ مشتق ہیں۔ عربی زبان میں جب نظر کو دیکھنے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس میں غور و فکر سے دیکھنا مراد لیا جاتا ہے۔ امام راغب اصفہانی اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

> اَلنَّظَرُ کے معنی کسی چیز کو دیکھنے یا اس کا ادراک کرنے کے لئے آنکھ یا فکر کو جولانی دینے کے ہیں۔ پھر کبھی اس سے محض غور و فکر کرنے کا معنی مراد لیا جاتا ہے اور کبھی اس معرفت کو کہتے ہیں جو غور و فکر کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے نَظَرتَ فَلَم تَنظُر تو نے دیکھا لیکن غور نہیں کیا۔(۲)

"نظریہ" بھی اسی سے مشتق ہے۔ نظریہ سے مراد "خیال یا قیاس جس کے لئے ثبوت لائے جائیں، مسئلہ جس میں تعقل سے کام لیا جائے، کوئی واقعہ یا حقیقت جس کی توجیہہ کے لئے دلائل پیش کئے جائیں۔۔۔ وہ تصور یا ادراک جو ایک نوع کے کل افراد پر حاوی ہو۔"(۳) جبکہ نظریہ پاکستان کے حوالے سے اُردو لغت تاریخی اصول پر میں لکھا ہے:

> یہ تصور کہ متحدہ ہندوستان کے مسلمان ہندوؤں اور سکھوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں سے ہر لحاظ سے مختلف اور منفرد ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی صحیح اساس دینِ اسلام ہے جو دوسرے مذاہب سے بالکل مختلف ہے، مسلمانوں کا طریق عبادت، کلچر اور روایات ہندوؤں کے طریق عبادت، کلچر اور روایات سے بالکل مختلف ہے۔(۴)

طوفان نوح کی تفصیلات بائبل میں مختلف ہیں۔ گلگامیش میں بھی ایک عظیم طوفان کا ذکر ملتا ہے۔ تاہم جب اس واقعے کی سند کا ذکر آئے گا تو ہر مسلمان کے لئے قرآن و سنت ہی مستند ترین حوالے قرار پائیں گے۔ ہر مسلمان ادیب اور نقاد قرآن میں مذکور طوفانِ نوح کو اسی لئے سند تسلیم کرے گا کہ

قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو لاریب ہے۔ نظریۂ پاکستان کی اساس قرآن و سنت کی روشن تعلیمات ہیں۔ اس نظریئے کو بھی ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر رہنا چاہیئے۔ اسی میں ہر پاکستانی کی بقا کا راز مضمر ہے:

> یہ نظریہ یا طرزِ زندگی ایسا نہیں ہے کہ جسے نئی ریاست کو وجود میں لانے کے بعد وضع یا اخذ کیا گیا ہو یا جسے اوپر سے مسلط کر دیا گیا ہو۔ نہ یہ کوئی ایسا منشور تھا کہ جسے پاکستانیوں نے محض صبحِ آزادی کو اختیار کیا تھا، بلکہ یہ نظریہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا بجائے خود اسلام۔ (۵)

اکیسویں صدی کے ربع اوّل تک پہنچتے پہنچتے پاکستان سیاسی و سماجی طور پر اس قدر مغلوب ہو چکا ہے کہ اب نظریۂ پاکستان پر سوالات اُٹھنا شروع ہو گئے ہیں۔ قیامِ پاکستان سے پہلے بھی ایسے ہی سوالات آنگنوں میں موضوعِ بحث رہتے تھے جس کی عکاسی خدیجہ مستور کے ناول آنگن میں کی جا چکی ہے۔ تاہم ایمانی جوش اور آزادی کی لگن کا ولولہ اس قدر توانا تھا کہ آزاد وطن کے مطالبے کے خلاف ہر سوچ، خیال یا نظریہ جڑ پکڑنے میں ناکام ہی رہا۔ اس ساری توانائی کا مرکز و محور یہی عقیدہ تھا کہ ہم ایک خدا اور ایک رسول ﷺ کو ماننے والے ہیں۔ ہمیں ایک ایسا آزاد وطن چاہیئے جہاں ہم اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگیوں کی از سرِ نو تعمیر و تشکیل کر سکیں۔ جہاں ہم پر استعماری بیانیوں کی یلغار نہ ہو۔ جہاں کوئی سامراجی قوت ہماری شناخت کو ختم نہ کر سکے۔ جہاں ہم اپنی علمی و فکری اور تہذیبی و ثقافتی اقدار کو پروان چڑھا سکیں۔ جہاں ہم ایسا ادب تخلیق کر سکیں جو امن اور تعمیرِ انسانیت کا خوگر ہو۔ جس میں اتفاق و اتحاد کی روشن تعلیمات ہوں۔ جس کے ناول، افسانے، ڈرامے، نظمیں، غزلیں، گیت اور صحافتی بیانیئے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی مٹی میں گوندھے گئے ہوں۔ جہاں ایسی حمد تخلیق ہو جو انسانوں کو عالمین کے پروردگار کا شکر گزار بنائے اور جہاں ایسی نعت لکھی جائے جو مخلوقِ خدا کو خالق کے محبوب ﷺ سے محبت کی راہ پر ڈالنے میں مرکزی کردار ادا کر سکے۔

نظریۂ پاکستان ایک زندہ و توانا نظریہ تھا اور اُسے اپنی تخلیقی قوتِ نمو کے ساتھ ان ۷۷ سالوں میں فرد اور سماج کی رگ رگ میں اُتر جانا چاہیئے تھا۔ بدقسمتی یہ رہی کہ قیامِ پاکستان سے لے کر آج اکیسویں صدی تک وہ توانا نظریہ مختلف مراحل میں کمزور ہوتا چلا گیا۔ وطنِ عزیز پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو ذاتی مفادات کی دیمک نے کھوکھلا کرنا شروع کر دیا اور ذاتی مفادات کے رسیا، اسیرِ ان ہوا و ہوس، ایک دوسرے کے ساتھ باہم دست و گریباں رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان مسلسل مغلوب، مجبور، مقروض اور معتوب ہوتا چلا گیا۔ عوامی فلاح و بہبود کے بجائے جبر و استحصال اور تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار کی کامل آزادی کے بجائے زباں بندی کی جانے لگی اور شعور میں اضافہ کرنے کے بجائے ایسی نسلیں پروان چڑھائی جانے لگیں جو شور کی جانب زیادہ مائل تھیں۔ جس نظریے کو بارانِ رحمت بن کر شعور کی زمینوں میں جذب ہو کر قومی وجود کا حصہ بن جانا چاہیئے تھا، وہ نظریہ اس قدر اجنبی بنا دیا گیا کہ غیریت و اجنبیت کی اس فضا نے لاتعلقی کی فضا قائم کر دی۔ نتیجتاً پاکستانی قوم اپنی سمت کا تعین کرنے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ بقول ڈاکٹر وحید عشرت:

> ایک تخلیقی شعور کے حامل نظریہ کی بنیادی خصوصیات میں سے نمایاں ترین ایک صفت یہ ہے کہ وہ عوام میں نہ صرف گہرے طور پر نفوذ حاصل کرتا ہے بل کہ اس سے بڑھ کر وہ سماج میں وسیع سطح پر تغیر و تبدل لانے کے لیے تخلیقی شعور اور قوتوں کی حامل قیادت بھی خود فراہم کرتا ہے۔ جو اس نظریہ کے جمال و جلال کی پیکر ہوتی ہے اور وہ قیادت پورے سماج میں اپنی بے پناہ صلاحیتوں اور قوتوں کے ساتھ ایک ایسی جماعت کی تشکیل و تدوین کرتی ہے جو

اس نظریہ کی اساس پر ایک ہمہ گیر عمرانی انقلاب کو انگیخت کرتی ہے۔(۶)

دنیائے فانی کی محدودیت میں آزادی کے لامحدود تصورات غیر فطری بھی ہیں اور غیر منطقی بھی۔ تاریخِ انسانی کے کسی دور میں انسان حدود سے باہر نہیں نکل سکا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان حدود کا تعیّن کون کرے گا؟ کیا حدود کا تعیّن فرد پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ خود ہی فیصلہ کرے کہ وہ کس معاملے میں کتنا آزاد ہے؟ کیا قبیلے کا سردار اس بات کا فیصلہ کرے کہ آزادی کی حدود کیا ہیں؟ کیا ریاست کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ آزادی کی حدبندی کر دے؟ یا مذہب کے تصورِ آزادی کی روشنی میں حدود کی تعیین ہو؟ سیاسی و سماجی تحریکات ہوں کہ علمی، ادبی و فکری تحریکات، سب آزادی کے انہی تناظرات کے ارد گرد گھومتی رہی ہیں۔

اگر ہر فرد کو آزادی کی تعیین کا اختیار دے دیا جائے تو وجودیت جنم لیتی ہے جو انسانی کرب میں مزید اضافہ کر دیتی ہے۔ اگر قبیلے کا سردار حدود کا فیصلہ کرے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ عدل و انصاف سے کام لے گا اور مساوات کا خیال رکھے گا؟ اگر ریاست یہ قوانین بنانے میں آزاد اور خود مختار ہو تو اس بات کو کیسے یقینی بنایا جائے کہ تمام اقدامات کسی آئین کے تابع ہوں گے اور قوت و اختیار والے بھی اپنے آپ کو قانون کے آگے سرنگوں رکھیں گے؟ سامراجی نظام میں مغلوب ممالک کی ریاستیں بظاہر آزاد ہو کر بھی عوام کے لیے وہ نظام رائج نہیں کر سکتیں جو لوگوں کی مرضی و منشاء کے عین مطابق ہو تو پھر ریاستی اکابرین آزادی کے تصورات کو کس طرف لے جائیں گے؟ پاکستان کی آزادی نظریۂ پاکستان کی مرہونِ منت ہے۔ یہ ایک زمینی حقیقت ہے کہ قیامِ پاکستان سے ۲۱ویں صدی کے ربع اوّل تک پاکستان کی اکثریتی آبادی مسلمان ہے۔ مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کے ضمن میں ڈاکٹر وحید قریشی کی رائے غور طلب ہے:

> قائدِ اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ مسلمان متمدن دُنیا کی مقرر کردہ ہر تعریف کے مطابق ایک الگ قوم ہیں۔ مسلمانانِ ہند نے اپنے قومی تشخص کے لئے جو مطالبہ کیا وہ اس بنا پر نہ تھا کہ ہمیں ایک مادی حدود کا پابند ملک درکار ہے بل کہ اس بنا پر تھا کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی وحدتِ ملی کو کئی خطرات کا سامنا تھا، بطور مسلمان وہ اپنی زندگیوں کو اپنے نظریات کے مطابق بسر نہیں کر سکتے تھے۔ اُن نظریات پر عمل کی آزادی کے لئے اُنہوں نے الگ ملک کا مطالبہ کیا تھا۔ محض خطۂ ارض حاصل کرنا مقصود نہ تھا۔ بل کہ یہ خطۂ ارض اس لئے درکار تھا کہ مسلمان اپنی زندگیوں کو اسلام کے طریقِ حیات کے مطابق ڈھال سکیں۔(۷)

تحریکِ پاکستان اور نظریۂ پاکستان کے بارے میں ہماری مستند کتابوں میں کچھ حقائق دیئے گئے ہیں۔ ایسے حقائق جن پر ہمارے بڑے بڑے دماغ متفق ہیں۔ ان حقائق کے برعکس حقائق بھی کتابوں میں موجود ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں جو "مطالعہ پاکستان" پڑھائی گئی ہے اُس میں حقائق کو مسخ کیا گیا ہے۔ جو جس مزاج یا کیفیت میں ہو گا، اُسی مزاج یا کیفیت کے عین مطابق وہ مخصوص بیانیوں میں دلچسپی لے گا۔ جس کے دل میں پاکستان کے لئے کسی بھی قسم کا بغض ہے، وہ اپنی منتخب کردہ کتابوں سے ایسے حوالے ڈھونڈ لے گا جو اس کے بیانیے کو تقویت فراہم کرتے ہوں۔ اسی طرح پاکستان سے محبت کرنے والوں کے پاس ان کی محبت کی ترجمانی کرنے والے حوالے ہوں گے۔ اس مقصد کے لئے کبھی لفظ و معنی کے مباحث ہمارے سامنے آتے ہیں تو کبھی سیاق و سباق اور تناظرات کا اختلاف مطلوبہ اور طے کردہ اہداف کی خاطر پیش کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صفدر محمود کے الفاظ میں:

تخلیق پاکستان کو ہندوؤں اور مسلمانوں نے اپنے اپنے مخصوص نقطۂ نظر سے دیکھا۔ مسلمانوں کے نزدیک پاکستان کا قیام ایک عظیم کامیابی کی حیثیت رکھتا تھا جبکہ اس موقع پر ہندوؤں کا ردِ عمل شکست اور اہانت کے احساسات سے مملو تھا۔ مسلمانوں کے دل طمانیت سے سرشار تھے کہ اُن کی جدوجہد بارآور ثابت ہوئی مگر ہندو تاریخ کے اس فیصلے کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھے اور دل ہی دل میں اس "نقصان" کا ازالہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔(۸)

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ ہر قوم کے سرداروں کی اکثریت مفاد پرست ہوتی تھی اور اُن کی یہی مفاد پرستی انھیں پیغامِ نبوت و رسالت ﷺ کو رد کرنے پر مجبور کرتی تھی۔ معاشرے کے محروم افراد و طبقات پیغمبرؑ کی صدا پر لبیک کہتے تو اس کا سب سے توانا نفسیاتی محرک یہی تھا کہ ہر انسان فطری طور پر جبر و استحصال کو محسوس کرنے اور اس کے خلاف مزاحمت کرنے کا شعوری ملکہ رکھتا ہے۔ پیغمبرؑ دراصل زمینی بادشاہوں کے جبر و استحصال اور ناانصافیوں کے خلاف مزاحمت کی توانا علامت بن کر اُبھرا کرتے تھے۔ ظلم و عدل میں کلیدی فرق یہی ہے کہ اوّل الذکر میں کسی شے یا فرد کو اُس کے استحقاق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور مؤخر الذکر میں اُس شے یا فرد کے استحقاق کا خیال رکھا جاتا ہے۔ نظریۂ پاکستان اسی جبر و استحصال کے خلاف ایک توانا محرک تھا۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے ایک ایسے پاکستان کا خواب دیکھا تھا جہاں اسلام کے مقاصدِ حیات کی روشنی میں کامل آزادی کے ساتھ نظام وضع کیا جائے گا۔ ۸ دسمبر ۱۹۴۴ء کو قائداعظم محمد علی جناحؒ نے یومِ اقبالؒ کے لئے یہ پیغام جاری کیا:

> اقبال ایک عظیم شاعر اور فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ عملی سیاستدان بھی تھے۔ جہاں انھیں ایک طرف اسلام کے مقاصدِ حیات سے عقیدت و شیفتگی تھی، وہاں وہ اُن چند لوگوں میں سے تھے جنھوں نے پہلے پہل ایک اسلامی ریاست کے امکانات پر غور و فکر کیا تھا۔ ایک ایسی مملکت جو ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی ان خطوں پر مشتمل ہو گی، جو تاریخی لحاظ سے مسلمانوں کا وطن سمجھے جاتے تھے۔(۹)

نظام کی آزادی حقیقی آزادی ہے۔ جب تک کسی ملک کا نظام سامراجی غلبہ و تسلط کا شکار رہتا ہے، آزادی کا سورج طلوع نہیں ہوتا۔ آسمان سے گرنا اور کھجور میں اٹک جانا آزادی نہیں ہے۔ کامل آزادی یہی ہے کہ سیاسی و سماجی نظام کو اُس منشور کے مطابق ڈھالا جائے جس کی صدا لگا کر آزادی حاصل کی گئی تھی۔ پاکستان جبر و استحصال کے خلاف کھڑے ہونے والے اسلاف کی نشانی ہے۔ ۱۹۴۷ء سے اکیسویں صدی کے ربع اوّل تک پاکستان مسلسل زوال کا شکار ہے۔ علت و معلول کی رُو سے دیکھا جائے یا قوموں کے عروج و زوال سے اخذ کردہ نتائج کی روشنی میں اس تنزلی کا تجزیہ کیا جائے، یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ آج کا پاکستان عملی طور پر اُن روشن اصولوں سے متصادم ہے جو فکری و نظری طور پر تحریکِ پاکستان کی اساس اور اسلاف کی پہچان تھے۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں:

> پاکستان اسلام کی بنا پر وجود میں آیا۔ اس لئے اس کا سب سے بڑا ورثہ اسلامی ثقافت ہے۔ اسلامی ثقافت کو مسلمانوں کی ثقافت سے ممیّز کرنا ضروری ہے۔ "اسلامی ثقافت" نظریاتی ثقافت ہے اور مسلمانوں کی ثقافت سے وہ ثقافتی مظاہر مراد ہیں جو اسلامی ثقافت کے ڈھانچے کے اندر رہتے ہوئے مختلف مسلمان قوموں کے علمی، فکری اور تہذیبی افکار و عمل سے اُبھرے۔(۱۰)

جب قومیں زوال کا شکار ہونے لگتی ہیں یا کسی پیغمبرؑ کی اُمّت اُن کے لائے ہوئے الوہی پیغام میں تحریف کا ارتکاب کرنے لگتی ہے تو پھر دین و

سیاست کو جدا جدا کر دیا جاتا ہے۔ اسلام انفس و آفاق کا راہبر نظام ہے۔ اس میں فرد کی تنہائی اور سماج کا اجتماع دونوں ذمہ داری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ اس میں عوام سے لے کر حکمرانوں تک سب کا محاسبہ ہوتا ہے اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کی جاتی۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> اسلام کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے جو خود اسی کا پیدا کردہ ہے، الگ نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالاخر دوسرے کا ترک کرنا بھی لازم آئے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لئے بھی کسی ایسے نظام سیاست پر غور کرنے کے لئے آمادہ ہو گا، جو کسی ایسے وطنی یا قومی اصول پر مبنی ہو جو اسلام کے اصولِ اتحاد کے منافی ہو۔(۱۱)

بد قسمتی سے ایسے لوگ قوت و اختیار کے مالک بنتے چلے گئے جو ایک طرف نظریۂ پاکستان سے نابلد تھے اور دوسری طرف انھیں سیرۃ النبی ﷺ کے روشن اصولوں سے مکمل آگاہی نہیں تھی۔ رائج سیاسی نظام کبھی وڈیروں کے ہاتھوں میں رہا اور کبھی آمروں کے ہاتھوں میں۔ آہستہ آہستہ یہ چند گھرانے تمام مادی اسباب پر غالب آتے چلے گئے اور پھر اقتدار کی بندر بانٹ میں مذہبی پیشوا بھی شامل ہو گئے۔ نتیجتاً عوام بالخصوص نوجوان نسل کے سامنے قول و فعل کا تضاد شناخت کا بحران بنتا چلا گیا۔

قول و فعل کا تضاد محراب و منبر کے ولولہ انگیز خطبات سے لے کر گلی اور بازار کے سماجی و کاروباری معاملات تک میں دکھائی دیتا ہے۔ یہی دو رنگی سیرۃ النبی ﷺ کی تفہیم کے عملی و نظری پہلوؤں میں موجود ہے۔ رسمیں بہت ہیں اور روحِ بلالی عنقا ہے۔ صرف نظم ہی معرّا نہیں ہوئی، سماج بھی بہت سی پابندیوں پر عمل درآمد کرنے سے عاری دکھائی دیتا ہے۔ قدیم نعتیہ شاعری میں ثواب اور اظہارِ عشق کے مضامین کی بہتات تھی لیکن جدید نعتیہ شاعری میں یہ احساس بڑھتا جارہا ہے کہ امت مسلمہ کے زوال کا بنیادی سبب قول و فعل کا تضاد ہے۔ پاکستان کی اُردو نعتیہ شاعری کا عصری منظر نامہ بھی انہی تناظرات کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے۔ بقول صبیح رحمانی:

> ہمارے ادب و شعر میں نعت کی حیثیت محض ایک عمومی صنفِ ادب کی نہیں ہے، بل کہ یہ وہ صنفِ اظہار ہے جس میں ہمارے تہذیبی شعور اور فکری وابستگی کا سب سے گہرا اظہار ہوا ہے۔ اس اظہار کی نوعیت بھی قوسِ قزح جیسی ہے، یعنی یہ متنوع رنگوں میں نمایاں ہوا ہے۔(۱۲)

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے فکری نظام کی اساس دینِ اسلام کی نظریاتی اساس ہے۔ اسلام مادی زندگی میں ترقی کے خلاف ہے نہ ہی روحانی ارتقاء کی راہ میں مزاحم ہے۔ اسلام ایک ایسے کامل نظام کو پیش کرتا ہے جس میں مادی و روحانی ارتقاء کی راہیں عدل و مساوات کے ساتھ سب کے لیے کھلی ہوں۔ اس نظام میں فرد کی فرد کے ساتھ اور فرد کی سماج کے ساتھ کوئی مخاصمت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام پہلے مرحلے میں فرد کی سطح پر تزکیۂ نفس پر زور دیتا ہے۔ دوسرے مرحلے میں یہی صالح افراد مل کر ایک بہتر گھرانے کی بنیاد ڈالتے ہیں اور پھر گھرانے سے قوم تک یہی صالحیت پھیلتی جاتی ہے اور یوں ایک ایسا انسانی معاشرہ وجود میں آتا ہے جو حقیقی معنوں میں فلاحی کہلا سکتا ہے۔ اس فلاحی معاشرے کی تعمیر و تشکیل کے تمام ارتقائی مراحل ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ مشروط کر دیے گئے ہیں۔ تیسرے مرحلے میں یہی معاشرہ جس کی تشکیل ایمان و اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر ہوئی ہو، عالمی برادری کے سامنے ایک کامل نمونہ بن کر اُبھرتا ہے۔ سید محمد تقی لکھتے ہیں:

حقائق کو معروضی انداز میں دیکھنا چاہیئے جذبات کی روشنی میں نہیں۔ واقعات، افراد کی خواہشوں کا پاس نہیں کیا کرتے نہ تاریخ کے بہاؤ سے افراد کے جذبات کا خیال رکھنے کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔(۱۳)

جب سے پاکستان معرضِ وجود میں آیا ہے انہی تین مراحل کے مطابق نظام کے قیام میں بار بار خلل پیدا ہونے کی وجہ سے وطنِ عزیز پاکستان اس وقت پوری دنیا میں اُن ممالک کی صف میں کھڑا دکھائی دیتا ہے جہاں عدل و انصاف ہے نہ ہی انسانی حقوق کا خیال رکھا جارہا ہے۔ نظریاتی و اعتقادی طور پر سرزمین پاکستان کامل ترین نصاب کا حامل ہونے کے باوجود بدنصیبی کا شکار ہے۔ ذاتی مفادات اور اناؤں کی جنگ میں پاکستان داخلی محاذ پر کمزور ہوتا چلا گیا۔ تمام ادارے ایک ایک کرکے کمزور اور غیر فعال ہوتے گئے۔ آمریت اور ناقص جمہوری نظام میں مخاصمت کی وجہ سے عوامی فلاح و بہبود محض ایک ایسا نعرہ بنتی چلی گئی جسے بوقت ضرورت لگایا جاسکے۔

آمرانہ جبر و استبداد اور ان کی ہمنوا مذہبی پیشوائیت نے اسلام کو ایسے انداز میں پیش کیا جو اُن کے اقتدار کو دوام بخش سکتا تھا۔ جبکہ قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ سمیت تحریک پاکستان میں شامل دیگر مشاہیر پاکستان کی تقاریر، خطبات و فرمودات اور تقاریر کا نچوڑ یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے اغراض و مقاصد میں جمہوری اقدار کا فروغ، سیاسی، سماجی و اقتصادی انصاف و مساوات، بحیثیت قوم مسلمانوں کا اجتماعی تشخص اور آزاد مملکت میں ترقی، خوشحالی اور استحکام کے لیے سازگار ماحول کی فراہمی کلیدی نکات ہوں گے۔ یہی وجہ ہے جہاں جہاں مسلمانوں کی اکثریت آباد تھی، اُن علاقوں کو پاکستان میں ضم کرنے کی صدا گونجی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

زندگی میں نئے معنی تلاش کرنے کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب کسی کلچر کی وحدت اور اس کا نظامِ خیال زندگی میں معنویت پیدا کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے اور تہذیبی رشتے ایک دوسرے سے بے تعلق ہو کر تیلیوں کی طرح بکھرنے لگتے ہیں۔ اخلاق و فکر کی مروجہ اقدار میں بدلتے زمانے اور اس کے نئے تقاضوں کا ساتھ دینے کی قوت باقی نہیں رہتی۔ معاشرت کی خواہشات اور ضروریات، اپنے قدیم تہذیبی اداروں سے متصادم ہونے لگتی ہیں۔(۱۴)

عقیدہ یا نظریہ جتنا مرضی اعلیٰ ہو اگر اُس کے مطابق عمل نہ کیا جائے تو فرد اور معاشرہ مسلسل زوال کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ اسلام جس مرکزیت کو برقرار رکھنے کا دین ہے، اُس مرکزیت کو ذاتی مفادات کی جنگ میں ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور پاکستان عدم مرکزیت کا شکار ہوتا چلا گیا۔ اسی عدم مرکزیت کے اثرات شعر و ادب پر بھی دکھائی دیئے۔ ہمارا ادیب کبھی خارجی مسائل کی جانب متوجہ ہوا اور کبھی گھبرا کر داخلی دنیا میں پناہ گزین ہوا۔ پاکستان کو جس شناخت کا ضامن بننا تھا، وہ شناخت ہی بحران کا شکار ہوتی چلی گئی۔ جب افراد اور قومیں شناخت کے بحران میں مبتلا ہوتی ہیں تو پھر "نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم" والی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ بقول سبط حسن:

ہر قوم کی ایک تہذیبی شخصیت ہوتی ہے۔ اس شخصیت کے بعض پہلو دوسری تہذیبوں سے ملتے جلتے ہیں۔ لیکن بعض ایسی انفرادی خصوصیتیں ہوتی ہیں جو ایک قوم کی تہذیب کو دوسری تہذیبوں سے الگ اور ممتاز کرتی ہیں۔ ہر قومی تہذیب اپنی انہی انفرادی خصوصیتوں سے پہچانی جاتی ہے۔(۱۵)

ای بکس یا برقی کتب دراصل معلومات تک برق رفتار اور آسان ترین رسائی کی جدید شکل ہے۔ وہ علمی و فکری مواد جو عام لوگوں کی قوتِ خرید سے باہر تھا، اب بالکل مفت ویب سائٹوں، بلاگوں، یوٹیوب کی ویڈیوز کی شکل میں اور واٹس ایپ کے گروپوں میں آسانی سے دستیاب ہے۔ اس کا

نتیجہ یہ نکلا کہ تاریخ کا وہ چہرہ جو ہمارے نصاب میں شامل تھا اُس کے بالکل برعکس نصاب خوش قسمتی یا بد قسمتی سے ہمارے نصیب کا حصہ بنتا جا رہا ہے۔ایسی کتابوں کو شائع اور مشتہر ہونے سے روکنا ریاستی اختیارات سے باہر ہے۔ جہاں یہ معلومات مفید ہیں وہیں ان کے ذریعے بہت سازہر بھی نوجوان اذہان و قلوب میں اُنڈیلنے کی راہ ہموار ہو چکی ہے۔

ایک تاریخِ پاکستان وہ تھی جو تحریک پاکستان میں شامل ہونے والوں کے ذریعے بہ نفسِ نفیس قوم تک پہنچی تھی۔اب تاریخ پاکستان کا ایک ایسا جدید روپ بھی نوجوان نسل کے سامنے رکھا جا رہا ہے جو اُس تاریخ سے متصادم بھی ہے اور اُس کے برعکس بھی جو تعلیمی اداروں کے نصاب میں شامل تھی اور طلبا و طالبات کو پڑھائی جا رہی تھی۔ایسی صورت حال میں ابہام کا پیدا ہو جانا فطری امر ہے۔اس پر مستزاد مس انفارمیشن، ڈس انفارمیشن اور پراپیگنڈہ پھیلاتی پراکسیاں جو ہمہ وقت ان الجھنوں کو بانٹنے میں مصروف دکھائی دیتی ہیں۔ نتیجتاً ان الجھنوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔لوگ رائج نظام سے تنگ آ چکے ہیں۔ جہاں ناراضی ہوتی ہے وہاں ناقص اور غیر معیاری معلومات کو بھی محض انتقام کی خاطر مان لیا جاتا ہے۔

جدید عصری صورت حال میں جھوٹ کو معاشی فوائد کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔اگر جھوٹ مال کما رہا ہے تو زیادہ سے زیادہ مال کمانے کے چکر میں زیادہ سے زیادہ جھوٹ اور سنسنی خیزی پھیلائی جائے گی۔وطن عزیز میں رائج نظام نے لوگوں کے اعتبار کو اس قدر مجروح کر دیا ہے کہ کسی ویڈیو، بلاگ یا وی لاگ میں مخالف بیانیے کو بغیر تحقیق کے تسلیم کرنے کی روش پیدا ہو چکی ہے۔مادی مفادات کی خاطر ہر فریب و ظلم کو جائز سمجھا جانے لگے تو صورت حال انتہائی تشویش ناک ہو جاتی ہے۔استعماری اور سامراجی طاقتوں نے مقبوضہ کالونیوں میں اسی جھوٹ اور فریب سے اپنے مفادات کے تحفظ کی کوشش کی۔ جس کے نتیجے میں ظلم و جبر کی راہ ہموار ہوئی۔ "پاکستان کیسے بنا؟" میں زاہد چودھری لکھتے ہیں:

> برطانوی سامراج نے دونوں ملکوں کے درمیان حد بندی کے سلسلے میں جو بے انصافی کی وہ کوئی ناقابلِ فہم نہیں تھی۔ سامراجی سیاست میں انصاف، اخلاق اور اصول نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ سامراجی مفادات ہر چیز سے بالاتر ہوتے ہیں۔ ان مفادات کے تحفظ اور فروغ کے لئے ہر فریب اور ظلم جائز ہوتا ہے۔(۱۶)

۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو الہ آباد میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں علامہ اقبالؒ کے خطبۂ صدارت کے اہم نکات پر غور کیا جائے تو ہمارے سامنے علامہ اقبالؒ کے تصورِ پاکستان کے خدوخال اُبھرنے لگتے ہیں۔علامہؒ کے نزدیک اسلام ایک عالمگیر حقیقت، اخلاقی نصب العین اور نظامِ سیاست (قانون اور اخلاقی روح کے عین مطابق) کی حیثیت سے "سب سے بڑا جزوِ ترکیبی" ہے جس نے مسلمانانِ ہند کی تاریخ حیات کو نہ صرف متاثر کیا بل کہ اسی کی بدولت مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا ہوتا ہے۔یہ اتحاد اور نظم وضبط اسلامی تہذیب کی بدولت ہے۔علامہ اقبالؒ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہندوستان میں ہوا ہے تو مبالغہ نہ ہو گا۔(۱۷) علامہ اقبالؒ کے خُطبۂ الہ آباد سے اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> یہ اجتماع مسلمانوں کا ہے جن کے متعلق مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے مقاصد اور اس کی تعلیمات پر قائم رہنے کے دل سے آرزومند ہیں۔ میرا مقصود صرف اس قدر ہے کہ موجودہ حالت کے متعلق میں نے جو رائے قائم کی ہے اس کا آزادی کے ساتھ اظہار کر دوں۔(۱۸)

اگر تحریک پاکستان کے تاریخی سیاق پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبالؒ نے بہت جلد محسوس کر لیا تھا کہ مسلم اکثریتی علاقوں کی خود مختاری ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے دو قومی نظریے کو عملی طور پر تسلیم کرتے ہوئے تحریکِ آزادی کی قیادت سنبھالی اور اُن کی قیادت میں آزاد وطن کا مطالبہ پاکستان بن کر معرضِ وجود میں آ گیا۔ بقول ڈاکٹر وحید قریشی:

> ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دُنیا کے نقشے پر ایک ملک نمودار ہوا جو عالمِ اسلام میں اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ تھا۔ یہ ایک نظریاتی ریاست تھی۔ جس کے عوام نے اسلام کو ایک جذباتی رشتے کے طور پر قبول کیا تھا اور اُسے زندگی کی اعلیٰ ترین قدر قرار دیتے ہوئے پاکستان کو "اسلام کی تجربہ گاہ" بنانے کا عہد باندھا تھا۔(۱۹)

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان ایک آزاد مملکت کے طور پر معرضِ وجود میں آیا تو آئینی نظام کی صورت گری کے لئے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا سہارا لینا پڑا۔ یہ ایکٹ حاکم و محکوم کی تقسیم کا آئینہ دار تھا۔ اکابرین کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ پاکستان کے لئے ایک آئین کی اشد ضرورت ہے۔ قائد اعظمؒ کو زیادہ مہلت نہ مل سکی۔ لیاقت علی خان نے علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ مل کر ۱۹۴۹ءء میں قرار داد مقاصد پیش کی تاہم ۱۹۵۱ء میں انھیں شہید کر دیا گیا اور آئینی ڈھانچہ تیار کرنے کا معاملہ خواجہ ناظم الدین کے پاس آ گیا۔

گورنر جنرل غلام محمد نے ۱۹۵۲ء میں اُن کی حکومت گرادی۔ اس کے بعد بیرون ملک سے محمد علی بوگرہ بلوائے گئے لیکن اس سے پہلے کہ ان کے بنائے گئے آئینی فارمولے کے مطابق آئین بنتا، گورنر غلام محمد نے اسمبلی توڑ دی۔ اس جبر کے خلاف سپیکر اسمبلی مولوی تمیز الدین نے سندھ ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا۔ چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ نے مولوی تمیز الدین کے حق میں فیصلہ سنا دیا جس پر حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل کر دی۔ اس وقت سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جسٹس منیر نے سندھ ہائی کورٹ کا فیصلہ منسوخ کرتے ہوئے حکومت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں بالواسطہ انتخاب کے ذریعے ۸۰ ارکان پر مشتمل نئی اسمبلی وجود میں آئی۔ اس اسمبلی نے چوہدری محمد علی کی سربراہی میں آئین تیار کیا جسے ۱۹۵۶ کا آئین کہا جاتا ہے۔ ۱۹۵۸ء میں یہ آئین مارشل لاء کی نذر ہو گیا اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں نیا آئین بنا دیا گیا جو دراصل فردِ واحد کی حیثیت کو آمر مطلق کی صورت میں تحفظ دیا گیا تھا۔ اس آئین سے مشرقی پاکستان میں احساس کمتری نے جنم لیا اور انہیں محسوس ہوا کہ قوت و اختیار کا غالب حصہ مغربی پاکستان کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان دولخت ہو گیا۔ پھر ۱۰ اپریل ۱۹۷۳ء کو آئین پاکستان منظور ہوا جو آج ۲۱ ویں صدی میں بھی پاکستان کا متفقہ آئین ہے۔ آئینِ پاکستان کی تمہید دراصل قراردادِ مقاصد کے نکات پر مشتمل ہے۔ اس میں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ:

> چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکمِ مُطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار و اقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہو گا، وہ ایک مقدس امانت ہے۔ چونکہ پاکستان کے جمہور کی منشاء ہے کہ ایک ایسا نظام قائم کیا جائے، جس میں مملکت اپنے اختیارات و اقتدار کو جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔ جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدلِ عمرانی کے اصولوں پر جس طرح اسلام نے اُن کی تشریح کی ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا۔(۲۰)

تمہید کے مطابق مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کی روشنی میں، جس طرح قرآن و سنت میں ان کا تعین کر دیا گیا ہے، ترتیب دے سکیں۔ نیز اس بات بھی قرار واقعی انتظام کیا جائے گا کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذاہب پر عقیدہ رکھ

سکیں، ان پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی، سماجی، معاشی اور سیاسی انصاف کا نظام قائم ہو گا۔ اظہارِ رائے کی آزادی ہو گی۔ قانون کی نظر میں سب شہری برابر ہوں گے۔ اپنے اپنے مذہب و عقیدہ کے مطابق عبادت و اجتماع کی آزادی شامل ہو گی۔ پاکستان کی خاطر عوام کی دی ہوئی قربانیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس بات کا بھی اعادہ کیا گیا کہ "پاکستان عدلِ عمرانی کے اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری مملکت ہو گی۔"(۲۱)

۲۷ مارچ ۱۹۴۷ء کو میمن چیمبر آف کامرس کے استقبالیے میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظمؒ محمد علی جناح نے دوٹوک اور واشگاف الفاظ میں کہا تھا:

> پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ، روادارانہ بل کہ فراخدلانہ برتاؤ کیا جائے گا۔ اسلام کی ساری تاریخ میں اسی رویّے کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ اسلام کی ساری تعلیمات اُسی رخ کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یاد رکھیے، وہ حکومتیں جو عام اعتماد پر پوری نہیں اُترتیں وہ ترقی نہیں کر سکتیں۔ جمہوریت مسلمانوں کے خُون میں رچی ہوئی ہے۔ ہم اُخوّت، مساوات اور حُریّت کے علمبردار ہیں اور یہاں اس کا کوئی موقع نہیں کہ کوئی شخص اپنی مرضی مسلط کر سکے۔(۲۲)

محولہ بالا اقتباسات اور آئینِ پاکستان کی تمہید سے واضح ہے پاکستان ایک اسلامی جمہوریہ ہے جس میں اسلام کے خلاف قانون سازی نہیں کی جاسکتی۔ بانیانِ پاکستان اسے اسلامی فلاحی ریاست بنانا چاہتے تھے جہاں امن و انصاف کا بول بالا ہو۔ یہاں کسی کو اپنی مرضی مسلط کرنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ تمام فیصلے جمہوری انداز میں باہمی مشاورت سے کیے جائیں گے۔ آئینِ پاکستان کی روح کے مطابق علمی، فکری، ادبی اور ثقافتی اظہارات کا تعین کیا جائے گا اور کسی ایسی علمی و فکری یا اعتقادی سرگرمی کی اجازت نہیں دی جائے گی جو پاکستان کے تشخص کو مجروح کرے۔

ادب اور اصنافِ ادب کے ارتقائی مراحل پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح فرد اور معاشرہ سیاسی، سماجی اور علمی و فکری تغیرات سے گزرتا ہے بعینہٖ ادب کا نظامِ فکر بھی فکری اور تہذیبی تبدیلیوں کا آئینہ دار ہے۔ یہ کہنا درست ہو گا کہ سیاسی و سماجی محرکات نفسیاتی سانچوں کو مرتب کرتے ہیں اور نفسیاتی سانچوں سے مخصوص اظہارات کی تشکیل ہوتی ہے۔ دنیا بھر میں اصولی طور پر اس حقیقت کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ سماج کے فکری رویے انفرادی نفسیات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور افراد کے نفسیاتی رویوں سے قوم کا اجتماعی منظر نامہ وجود میں آتا ہے۔ پاکستانی قوم اور پاکستانی ادب بھی عہد بہ عہد اپنے مخصوص تہذیبی و ثقافتی تناظرات میں تبدیلیوں کے انہی مراحل سے گزرا ہے۔ تاہم ہماری ہر تبدیلی اور ہر تغیر ایک ہی محور و مرکز ذات ﷺ سے متعلق ہے۔ پاکستان کا تشخص اور نظریاتی شناخت رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے براہِ راست منسوب ہے۔ لہٰذا یہاں سیرۃُ النبی ﷺ کی روشن تعلیمات کے خلاف سیاسی و سماجی ماحول سازی کی سخت ممانعت ہو گی۔ یہی روشن اصول پاکستانی ادب کے لیے حتمی معیارات ہیں۔ آئینِ پاکستان قرآن و سنت کے تابع ہے۔ لہٰذا پاکستان میں ہونے والے تمام تر لسانی و ادبی اظہارات کو انہی حدود میں رکھنا ازحد ضروری ہے۔ پاکستان میں آباد اقلیتوں کی مذہبی نسبتوں کا احترام ناگزیر ہے۔ اسی طرح اقلیتوں پر اسلامی شعائر کا احترام لازم ہے۔ دنیا میں موجود ہر قوم نے ہمیشہ اپنی نظریاتی بنیادوں کی حفاظت کی ہے۔ ہمارا رویہ بھی معذرت خواہانہ نہیں ہونا چاہیے۔

حوالہ جات

۱۔ دائرہ معارفِ اسلامیہ (جلد ۲۲)، لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۶ء۔ ص ۳۸۲

۲۔ راغب اصفہانی، امام، مُفردات القرآن (جلد دوم)، ترجمہ و حواشی: مولانا محمد عبدہ، شیخ شمس الحق، لاہور: جون ۱۹۸۷ء۔ ص ۴۹۹

۳۔ اُردو لغت تاریخی اُصول پر (جلد بیستم)، اُردو لغت بورڈ، کراچی: جون ۲۰۰۵ء۔ ص ۱۴۲

۴۔ ایضاً۔ ص ۱۴۴

۵۔ شریف المجاہد، پروفیسر، نظریۂ پاکستان، مترجم: متین الرحمٰن مرتضیٰ، قومی کمیٹی برائے صد سالہ تقریباتِ پیدائش قائد اعظم محمد علی جناح، اسلام آباد: وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان، ۱۹۷۶ء۔ ص ۷

۶۔ وحید عشرت، ڈاکٹر۔ علامہ اقبال کا نظریۂ پاکستان۔ لاہور: پاکستان فلسفہ اکادمی، ۱۹۸۴ء۔ ص ۵

۷۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، پاکستانی قومیت کی تشکیلِ نو، حمد اکرام، شیخ، ثقافتی ورثہ کی نوعیت، مشمولہ: پاکستانی ثقافت (پاکستانی ادیبوں کے منتخب مضامین)، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ، ۱۹۹۹ء۔ ص ۱۱۴

۸۔ صفدر محمود، ڈاکٹر۔ پاکستان کیوں ٹوٹا۔ لاہور: جنگ پبلشرز پریس، ۱۹۹۰ء۔ ص ۱۴

۹۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، پروفیسر۔ پاکستان تصوّر سے حقیقت تک۔ لاہور: بزمِ اقبال، س ن۔ ص ۴۷

۱۰۔ عبد السلام خورشید، ڈاکٹر۔ پاکستانی ثقافت، مشمولہ: پاکستانی ثقافت (پاکستانی ادیبوں کے منتخب مضامین)، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۹ء۔ ص ۱۲۵

۱۱۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، پروفیسر، پاکستان تصوّر سے حقیقت تک۔ ص: ۱۸

۱۲۔ صبیح رحمانی، نقدِ نعت کی نئی جہت، مشمولہ: اُردو نعت اور چند ادبی تحریکیں، مصنفہ: ڈاکٹر طاہرہ انعام، کراچی: نعت ریسرچ سینٹر، ۲۰۲۴ء ۔ ص ۱۲

۱۳۔ محمد تقی، سید، پاکستانی قومیت، مشمولہ: پاکستانی ثقافت (پاکستانی ادیبوں کے منتخب مضامین)، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد۔ ص: ۱۶۸

۱۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، کلچر نئے معنی کی تلاش، مشمولہ: پاکستانی ثقافت (پاکستانی ادیبوں کے منتخب مضامین)، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد۔ ص: ۲۱۴

۱۵۔ سبط حسن، تہذیب کیا ہے، مشمولہ: پاکستانی ثقافت (پاکستانی ادیبوں کے منتخب مضامین)، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد۔ ص: ۳۵

۱۶۔ زاہد چودھری۔ پاکستان کیسے بنا۔ (جلد ۲)، تکمیل و ترتیب: حسن جعفر زیدی، لاہور: ادارۂ مطالعہ تاریخ، ۲۰۱۲ء۔ ص: ۶۰۹

۱۷۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، پروفیسر۔ پاکستان تصوّر سے حقیقت تک۔ ص ۱۴

۱۸۔ ایضاً۔ ص ۱۷

۱۹۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، پاکستانی قومیت کی تشکیلِ نو، مشمولہ: پاکستانی ثقافت (پاکستانی ادیبوں کے منتخب مضامین)، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد۔ ص ۱۱۲

۲۰۔ تمہید مشمولہ: اسلامی جمہوریۂ پاکستان کا دستور، قومی اسمبلی پاکستان، ترمیم شدہ لغایت ۲۸ فروری ۲۰۱۲ء، ص: ۱

۲۱۔ ایضاً۔ ص: ۲

۲۲۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، پروفیسر، پاکستان تصوّر سے حقیقت تک۔ ۲۸۰۔۲۸۱